شیدی سعید کی مسجد (احمد آباد)

از

مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی

(ریسرچ ورکر پوسٹ گریجویٹ ڈپارٹمنٹ گجرات ودیا سبھا احمد آباد)

شیدی فارسی لفظ ہے، جو حبشیوں کے لئے اہلِ فارس اسی طرح استعمال کرتے تھے، جس طرح عربوں کے لئے تازی اور ترکوں کے لئے تاجیک، لیکن اب ایک قسم کا لقب ہوگیا ہے جو صرف حبشیوں کے لئے مستعمل ہے۔

حبشی گجرات میں کب آئے اس کا صحیح پتہ تاریخوں سے نہیں ملتا، احمد شاہ بانیِ احمد آباد سے لے کر سلطان محمود اعظم (عرف بیگڑہ) تک ان کا کچھ حال نہیں معلوم ہوتا، سلطان محمود کے عہد میں صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ خود اُس کے حرم میں ایک حبشن تھی، اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ غالباً کچھ مرد بھی غلاموں کے سلسلہ میں ہوں گے۔

سلطان بہادر شاہ کے عہد میں ترکوں کے ساتھ حبشیوں کا بھی عروج شروع ہوا۔ ہمایوں کے ساتھ جو جنگ، محمود آباد کے پاس ہوئی تھی اُس کا سپہ سالار عماد الملک حبشی ہی تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حبشیوں کی فوج اس عہد میں منظم اور مرتب ہوچکی تھی سلطان محمود ثانی کے زمانہ میں ان کو ترقی کا بہت کافی موقعہ مل گیا۔ اور ترکوں کے پہلو بہ پہلو بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔ اس وقت بحری بیڑہ ترکوں، اور توپ خانہ ان حبشیوں کے ماتحت تھا۔ محمود کے بعد احمد اور مظفر کے زمانہ میں سلطنت کے سیاسی معاملات میں اس قدر دخیل ہوگئے، کہ جس طرف یہ جھک جاتے اُسی کا پلہ بھاری ہوجاتا۔ چنانچہ امرائے گجرات کی خانہ جنگی میں انھوں نے بڑا حصہ لیا۔ اور انھیں اسباب کی بنا پر گجرات کے بڑے بڑے علاقے پر یہ قابض ہوگئے۔ انھیں میں سے ایک سردار بلال جھو جھار خاں تھا

اس کے مرنے پر اس کا لڑکا بھی جھو جھار خاں کہلایا۔ یہی جھو جھار خاں ہے جو شیدی سعید کا بڑا دوست اور رفیق تھا۔ اسی نے چنگیز خاں حاکم بھروچ کو قتل کیا تھا۔ جس کے قصاص میں اکبر اعظم نے ۹۸۰ھ ۱۵۷۲ء میں ہاتھی کے پاؤں کے نیچے روندوا ڈالا۔

شیدی سعید | شیدی سعید کی ولادت غالباً حبشہ میں ہوئی۔ اور پھر وہاں سے یمن آکر ترکوں کی فوج میں داخل ہوا۔ اور مصطفےٰ رومی خاں کے ساتھ گجرات آگیا۔ اور رومی خاں کے چلے جانے کے بعد یہاں اور ترکی اور حبشی سرکاری ملازم ہو گئے سعید بھی ملازم ہوا۔ اور آخر میں خاص سلطان محمود کے ملازموں میں شامل ہو گیا، اسی واسطے اس کو شیدی سعید سلطانی کہنے لگے۔ غالباً سلطان محمود کی شہادت کے بعد جب حبشی سرداروں نے ملک کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا، تو شیدی سعید نے بھی جھو جھار خاں کی ہمراہی قبول کر لی۔ کیوں کہ ان دونوں میں پہلے ہی سے دوستی تھی۔ شیدی سعید ایک بہادر آدمی تھا۔ وہ جھو جھار خاں کے ساتھ جنگ میں شریک ہو چکا تھا اور اس جنگ میں بھی شریک تھا جو محمد الغ خاں کے ساتھ ہوئی تھی۔ اور اسی شیدی سعید کو ناصر جنگ نے جو گجراتی امرا میں طاقتور امیر تھا اس کی قابلیت کا اندازہ لگا کر بطور سفیر چنگیز خاں حاکم بھروچ کے پاس بھیجا تھا۔ جب فوجی خدمت ترک کر کے جھو جھار خاں کے ساتھ رہنے لگا، تو اس نے بھی اس کو اپنا بھائی سمجھا، دونوں کی محبت بڑھ جانے کے سبب وہ معتمد علیہ ہو گیا۔ جھو جھار خاں اور اس کے بھائی نے اس کی نیکی اور سعادت مندی کو دیکھتے ہوئے پچاس لاکھ ٹنکہ (روپیہ) کے گاؤں اس کے حوالے کئے، اور وظیفہ کے طور پر اس کے لئے علاحدہ مقرر کئے، تاکہ اس کی جانب سے کار خیر کرتا رہے۔

شیدی سعید کے نیک کام | شیدی سعید ایک بڑے دل کا آدمی تھا۔ اس کی فیاضیاں صرف نیک کاموں کے لئے ہوتیں، وہ مرد صالح تھا، اس لئے کبھی بھی دولت کو اپنی ذات کے لئے بطور عیش پسندی کے صرف نہ کیا، اس نے غریبوں کے لئے مکانات بنائے، لوگوں کے لئے مدد معاش مقرر کئے، غلاموں کی امداد کی۔ اور مسکینوں کی غم خواری کرتا۔ اس کی مجلس میں صرف اچھے ہی لوگ ہوتے جو اس کو نیک مشورہ دیتے۔ اس نے جو مسجد بنوائی (جس کا ذکر آگے آئے گا) اس کی بائیں طرف

ایک لنگر خانہ قایم کیا۔ جس میں دشیشہ پکا کر لوگوں کو کھلاتا، اور دشیشہ اس کھانے کو کہتے ہیں، جو گندم کو بھگو کر اور پھر کوٹ کر پکاتے ہیں۔

اس عہد میں غیر ملکیوں کے حملے، اور خانہ جنگی کے سبب سے بے کاری اور افلاس بہت بڑھ گیا تھا، متوسط طبقے (سفید پوش) پریشان حال ہو گئے تھے، شیدی سعید نے اس کو محسوس کیا، اور اپنے لنگر خانہ میں اس کا بندوبست کیا، اور لوگوں کو کھلانا شروع کیا، اور یہ بڑھتے بڑھتے اس قدر ہو گیا۔ کہ صرف کشکولی فقیروں کے لئے بیس من (گجراتی) اور سفید پوش غریبوں کے لئے بیس من علاحدہ پکتا، اس میں سے چوتھا حصہ (پانچ من) الگ ایک مکان میں پکایا جاتا جو لنگر خانہ سے قریب تھا۔ حاضر لوگ دسترخوان پر اسی جگہ کھا لیتے، باقی لوگوں کے لئے گھر گھر الگ تقسیم کر کے بھیجا جاتا[1]۔ اور خاص شیدی سعید کے ساتھ دسترخوان پر دونوں وقت شرفا کی ایک جماعت بیٹھتی، جس میں حضرم (یمن کا ایک صوبہ) کے شریف لوگ، شہر کے علمار، مخلص احباب، اور ارباب تصوف سب شامل ہوتے، مخصوص مصاحبوں کے لئے بھی دس من روزانہ مقرر تھا۔ وہ خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں تک کھانا پہنچانے کی کوشش کرتا جو دنیا ترک کر چکے تھے۔ سردیوں کے موسم میں کچھ قبائیں صاحب حیثیت لوگوں کو بطور تحفہ کے دیتا۔ اور ایک ہزار کے قریب غریبوں میں تقسیم کرتا، یہ دستور اکبر بادشاہ کے احمد آباد فتح کرنے تک برابر جاری رہا۔

کتب خانہ شیدی سعید کی مجلس میں بہترین آدمی جمع ہوتے تھے، وہ علم و فضل والوں کے ساتھ محبت رکھتا تھا اور انھیں سے اس نے مختلف قسم کے علوم و فنون حاصل کئے۔

علما و فضلا کی قدر دانی کا یہ نتیجہ نکلا، کہ شیخ حمید بن قاضی عبداللہ سندھی محدث وقت نے جب

---

[1] ہر زمانہ میں مخیر لوگ ایسا کرتے رہے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیار کی خانقاہ سے ہزاروں آدمی روزانہ کھاتے تھے، اور آج احمد آباد میں جمال پور دروازہ باہر ایک لنگر خانہ کھلا ہے جہاں اس گرانی کے زمانہ میں بھی ہزاروں آدمیوں کے علاوہ ایک ہاتھی کی خوراک بھی روزانہ مہیا کی جاتی ہے یہ ایک مندر کے مہاراج کی طرف سے ہے، جہاں کثیر تعداد میں زیادہ تر سادھو اور سنت دونوں وقت کھاتے ہیں۔

جامع حمیدی کی تبویب (مضامین کو باب باب میں الگ بیان کرنا) ختم کی تو شیخ سعیدی کے نام معنون کیا، اور "جامع سعیدی فی تبویب الحمیدی" اس کا نام رکھا جس نے اس کو ہمیشہ کی زندگی عطا کی۔

انھیں بزرگوں کی صحبت سے اس کو کتابوں کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اس نے بڑی کوشش سے ایک کتب خانہ قائم کیا، شہر میں جس قدر کتابیں مل سکیں، اس میں جمع کیں، پھر ایک جہاز تیار کرا کر مصر روانہ کیا اور کتابوں کی خرید، خواجہ سلامت اللہ شاطر مغربی کے جہاز کے ناخدا کے سپرد کی، ان کو کتابوں کی ایک فہرست بھی دے دی گئی، تاکہ خصوصیت سے ان کتابوں کو ضرور خریدیں، چنانچہ وہ جہاز کتابوں کو لے کر جب گھوگھہ بندر (کاٹھیاواڑ) پر پہنچا، تو طوفان کے سبب سے جہاز نے کروٹ لی، اس میں سے کچھ کتابیں ضائع گئیں اور کچھ بچالی گئیں۔ اکبر کے فتح کے بعد سے پھر اس کتب خانہ کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا۔

ظفر الوالہ کے مصنف آصفی نے لکھا ہے کہ شیخ سیدی سعید میرے اوپر بڑا مہربان تھا۔ اور میرے ساتھ اس کا اچھا سلوک تھا اسی سبب سے اس نے ایک نظم عربی میں شیخ کی تعریف میں لکھی ہے، اور اس کے آخر میں مسجد کی بنا کی تاریخ نکالی ہے۔

غرض ظاہر و باطن میں وہ بہترین شخص تھا، اس کا مکان وسیع، نیکیاں بہت زیادہ اور اس کا اخلاق بڑا بلند پایہ تھا اس کے پاس ہنر سے زیادہ حبشی غلام تھے اس کے نوکر ایک سَو، گھوڑے تیس، اونٹ دس سے زیادہ تھے، بہل (سواری کی گاڑی) اور سامان لادنے والی گاڑیوں کے لئے پچاس بیل تھے۔ گاؤں کا اس قدر بہتر انتظام کیا تھا کہ اس کی آمدنی دوگنی ہو گئی تھی، وہ جس طرح ظاہر میں ایک امیر تھا، وہ باطن میں بھی نیکیوں کا امیر تھا۔

وہ ابنائے جنس حبشیوں، کا خصوصاً بڑا خیال رکھتا تھا۔ اس کا یہ عروج دیکھ کر لوگوں کو حسد ہوا، اور یہ دیکھ کر کہ جھوجھار خاں اس کا ادب کرتا ہے، بہت جلے، آخر جھوٹے بہتان لگا کر دونوں کو لڑا دیا، جھوجھار خاں نے وہ تمام گاؤں اس سے واپس لے لئے، اور اس قدر بگڑا کہ اس نے قتل کی دھمکی دی۔ پھر کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ الغ خاں نے اس کو اپنی وکالت میں لے لیا اور

جھوجھار خاں سے بہتر گاؤں اس کو دے،

اس کی نیکیوں میں سے ایک نیکی یہ بھی تھی۔ کہ اپنے جہاز پر ایک جماعت کو حج کرانے کے لئے اپنے ساتھ لے گیا، اور مدینہ کی بھی زیارت کرائی، اور دونوں حرم (مکہ اور مدینہ) میں بہت سے نیک کام انجام دئے۔

اکبر بادشاہ کے احمد آباد فتح کرنے کے تیسرے سال سرکاری طور پران کو امیر الحاج بناکر بھیجا گیا، واپسی کے بعد ۳ شوال دوشنبہ کے دن ۹۸۳ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۵۷۵ء میں شیخ شیدی سعید کا احمد آباد میں انتقال ہوگیا، اور شیخ سعید حبشی سلطانی کے نام سے مشہور ہوئے اور جو مسجد انھوں نے بنوائی اسی مسجد میں وہ دفن کئے گئے، جس کا حال آگے آئے گا اور ان کا آخری نیک عمل یہی حج تھا[1]

جالی والی مسجد | یہ مسجد بہت قدیم زمانہ سے بنی ہوئی تھی پہلے یہ اینٹ کی تھی، جو شیدی سعید کے مکان سے متصل تھی۔ اس کو ولی مجذوب شیخ اَبن نے بنوانی شروع کی لیکن وہ وفات پا گئے اور اسی جگہ دفن ہوئے۔ اس کے بعد شیخ سعید متولی ہوئے انھوں نے اس کو بنوانا شروع کیا، اور اپنی قبر بھی اسی جگہ بنوائی، اس نے یہ مسجد بنوانی شروع کی تو اس کی بنیاد مضبوط اور بلندی زیادہ کردی، اور اس کی چھت قبہ کے طرز کی بنوائی، اور پتھروں میں بڑے تکلف سے کام لیا، اس کو خاص قوانین فن کے مطابق چھیلا ہے، ہر پتھر طول میں ایک ہاتھ یا دو ہاتھ تھا، مسجد کے اس طرف جدھر جالیاں ہیں مسجد کے احاطہ میں شامل ہے، یہ پتھر کی جالیاں چھیل کر منقش کی گئی ہیں۔ جو بڑی اونچی درجہ کی صنعت ہے۔ مسجد پہلے سے زیادہ وسیع کردی گئی ہے، اور آس پاس کی زمین مسجد کے مفاد کے لئے خرید لی گئی۔ اور مسجد کے صحن کے ساتھ اس نے ایک چبوترہ بنوایا اور اس کے دائیں طرف اس نے اپنی قبر پتھر کی بنوائی، اور جب وہ مسجد کا قبہ، سبیل اور چبوترہ بنا چکا تو اس کو موت آگئی، اور مسجد نامکمل رہ گئی۔[2]

جائے وقوع اور طول وعرض | قلعہ سے ذرا فاصلہ پر لال دروازے کے متصل یہ مسجد واقع ہے، یہ شیدی سعید کی مسجد

---

[1] ظفر الوالہ جلد دوم لندن [2] ایضاً

کہلاتی ہے، عمارت کی حیثیت سے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ طول میں ۶۸ اور عرض میں ۳۰ فٹ ہے، پہلے زمانہ میں ہندوؤں کے مندر کی طرح آٹھ گوشہ بنا کر اس پر گنبد رکھتے تھے، لیکن اس میں کمان کے اوپر گنبد بنا کر سائبان بنایا گیا ہے، ایک ایک ستون پر چار چار کمانیں رکھی ہیں۔ کمان کی بلندی، عمارت کو بلند کرنے میں آسانی پیدا کرتی ہے۔ یہ احمد آبادی کمان ہے مینارے سادے اور آٹھ گوشہ والے ہیں، مینارے ابتدائی دروازے کے بجائے آخری حصّے میں بنانے کا رواج گجراتی سلاطین کے عہد سے شروع ہوا۔ زینہ کی دیواروں پر نقشی کام بھی ہے، "بقامت کہتر بہ قیمت بہتر" کی مصداق ہے، ساری دنیا میں اس کی شہرت اس سے ہے۔ اس کا سبب اس مسجد کی جالیاں ہیں۔ جو دوسری جگہ نظر نہیں آتیں، شمال اور جنوب کی طرف تین تین حصہ کر کے جالیاں بنائی گئی ہیں۔ اور مغرب کی طرف پانچ، شمال کی جانب خالی پتھر ہیں اور جنوب کی طرف مربع کر کے جالیاں بنائی ہیں، مغرب کی طرف وسط جالی کے کمان میں پتھر رکھ کر بند کر دیا گیا ہے باقی کی چار جالیوں میں سے دونوں طرف کی دو جالیاں مربع بنائی ہوئی ہیں لیکن وسط کی بند کی ہوئی کمان کے آس پاس جو دو جالیاں ہیں ان میں درخت اور پتیوں کی ایک شاندار اور نادر تصویر بنائی گئی ہے، یہی دو جالیاں احمد آباد اور گجرات کے لئے آثارِ قدیمہ کے طور پر باعثِ عزت بنی ہوئی ہیں۔ اس کی اصلی اہمیت کا سبب یہ ہے کہ ایک ہی کمان میں ایک ہی طرح سے بنائی ہوئی تصویر ہے، اس کی چوڑائی دس سے گیارہ فٹ اور بلندی سات فٹ ہے اور گولائی نصف اس بڑی جگہ پر الگ الگ مربع پتھر کو رکھ کر اسی میں جالی کا نقش تیار کیا گیا ہے تصویر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کسی باغیچہ کا منظر ہو۔ کھجور یا ناریل کے درخت کی پتیاں ایسے دل کش طریقے سے بنائی ہیں کہ انسان، انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

غیر ملکیوں کی رائیں مسٹر ہیب نے لکھا ہے کہ دنیائے مشرق میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ فرگوسن کہتا ہے کہ دہلی، آگرہ وغیرہ کسی دوسری جگہ ایسی جالیاں نہیں نظر آتیں۔ یونان میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور ازمنۂ وسطیٰ میں بھی کسی جگہ اس کی نظیر نظر نہیں آتی، زارِ روس عالم شاہزادگی میں جب احمد آباد آیا۔ تو اس نے اس کو دیکھ کر کہا کہ نباتات کی خوبیاں اور ان کی خوبصورتی ان جالیوں میں دکھائی گئی ہیں۔

ان جالیوں کو دیکھ کر "گرد آباد اور ریگستان" کو بھول جاتے ہیں[1]۔ حالانکہ اس وقت احمد آباد ویران جیسا تھا، اسی سبب سے غیر ملکی مسافر اور ماہران فن اس کو دیکھ کر دلدادہ ہو جاتے ہیں۔ سرجان مارشل جیسے نکتہ چیں نے بھی اقرار کیا ہے، کہ ان جالیوں کی خوبصورت کاریگری کے سبب سے یہ مسجد ساری دنیا میں مشہور ہے پھول، پھل، درخت اور بیل کی ان دو جالیوں جیسا خوبصورت نقش و نگار، دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آیا، فرگوسن نے کہا ہے، کہ یہ مصنوعی نہیں بلکہ اصلی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا بنانے والا اپنے فن کا بہترین ماہر تھا۔ اس نے اپنے وقت کے رسم و رواج کو ترک کر کے، صرف اپنے دماغ اور فکر سے ایک نیا نقشہ قایم کیا، گویا وہ یہ سمجھ رہا ہے، کہ پتھر کی بجائے کسی کپڑے پر نقش بنا رہا ہے، سونار، مصور، سنگ تراش معمار، سنجار سب کی روح اس نے ایک ہی جسم میں جمع کر دی ہے اس کا نمونہ پہلے ایک لکڑی کے تختے پر بنایا گیا، جس پر ایک ہزار روپیہ خرچ ہوا۔ پھر اس کا نمونہ پتھر پر اُتار گیا، آج لندن اور نیویارک (امریکہ) کے عجائب گھروں میں اس کی نقلیں موجود ہیں اس زمانہ میں لوگ اس نقش کی نقل فرنیچر میں کرنے لگے تھے سچ یہ ہے کہ مسجد کا یہ نقش و نگار ماہر کاریگروں کا ایک معجزہ ہے[2]۔

غلط فہمی کا ازالہ مرہٹوں کے زمانہ میں بھدر قلعہ کے قریب ہونے سے اگرچہ اس کی عمارت کو سخت نقصان پہنچا مگر اصل مسجد خوش نصیبی سے بچ گئی، فرگوسن سے لے کر ۱۹۳۲ء تک جن جن لوگوں نے اس کا حال لکھا ہے، اُن کے بیانات تاریخ میں بہت کچھ غلط فہمی پیدا کرنے والے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے لکھا ہے، کہ احمد شاہ کے شیدی غلام نے پندرھویں صدی کے نصف اول میں یہ مسجد بنائی، برگس صاحب نے ان کمانوں کو دیکھ کر گمان کیا کہ محمود اعظم کے وقت پندرھویں صدی کے نصف آخر میں بنائی گئی، حالانکہ مشہور جھوجھار خاں کے ہم قوم اور دوست شیخ شیدی سعید نے ~~۹۸۰ھ~~ ۱۵۷۲ء میں تیار کرائی۔

اسی طرح اس میں نقشی صرف دو جالیاں ہیں۔ اور وسطی نہیں ہے، اس سے لوگوں میں ایسا مشہور ہو گیا، کہ انگریزوں کے عہد میں ایک انگریز، تیسری وسطی جالی نکال کر لندن لے گیا۔ بعض کی روایت یہ ہے کہ اس نے کسی متولی سے کسی امریکن نے خرید کر نیویارک (امریکہ) بھیج دی۔ لیکن اس افواہ میں کوئی صداقت نہیں۔

---

[1] جہانگیر نے احمد آباد کا نام "گرد آباد" رکھا تھا توزک جہانگیری جشن ۱۲ [2] کمار جنوری ۱۹۵۳ء

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسجد رشیدی سعید کی وفات کے سبب نامکمل رہ گئی، چنانچہ وسط کی جالی کی تکمیل جس طرح نامکمل رہی، اسی طرح جنوب جدھر مقبرہ ہے، اُس طرف کی اندر کی کمانیں بھی نامکمل رہ گئی ہیں۔ اس کا اصلی سبب یہ ہوا کہ جھوجھار خاں اور رشیدی سعید میں جب نا اتفاقی ہو گئی، تو سعید سے اس نے وہ گاؤں واپس لے لئے جس کی آمدنی سے یہ مسجد تیار ہو رہی تھی، پھر الغ خاں نے اس کو گاؤں دے، مگر اکبر اعظم کی فتح گجرات سے ایسا انقلاب آیا کہ گجراتیوں کو سنبھلنے کی نوبت نہیں آئی الغ خاں کی جاگیر ضبط ہو گئی اور اسی سبب سے یہ گاؤں بھی سرکاری قبضہ میں چلے گئے۔

مسجد کی موجودہ حالت مرہٹوں اور انگریزوں کے ابتدائی عہد میں اس مسجد کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ اس میں چونا لگا کر بہت گندہ کر دیا تھا آخر انگریزوں نے اس کو لاوارث سمجھ کر اس میں معاملت دار کی عدالت قایم کر دی، اور مسجد کے بجائے سرکاری محکمہ کا دفتر قرار پایا۔ اور اس میں "خدائے وحدہ لاشریک" کے بجائے ایک انسانی پیکر کے آگے سر جھکانا طے پایا۔ عرصہ تک یہی حال رہا۔

لارڈ کرزن کو آثارِ قدیمہ سے ہمیشہ سے دل چسپی تھی، وہ جب ہندوستان میں وائسرائے بن کر آیا۔ تو تمام ہندوستان کے لئے ایک محکمہ "آثارِ قدیمہ" کا قایم کیا، چنانچہ اس محکمہ کے قانون کے مطابق تحصیلداری عدالت سے یہ مسجد خالی کرا کر اس کی حفاظت کا سامان کیا گیا۔

ابھی چند سالوں سے محکمہ آثارِ قدیمہ کے ماتحت "سُنّی وقف کمیٹی" نے انتظامی امور اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں" مسجد کے لئے ایک امام، نمازیوں کے لئے صف، روشنی، وضو کے لئے حوض وغیرہ کا انتظام کیا ہے اور اب یہ مسجد آباد ہو گئی ہے، جہاں پانچوں وقت نماز ادا کی جاتی ہے، افسوس ہے کہ اس کے اردگرد کی زمین اس سے چھین لی گئی ہے۔ کاش اس کو مل جاتی تو اس کی آمدنی سے مسجد کی مرمت اور دیگر ضروریات پوری کی جا سکتیں۔

آصفی نے عربی نظم میں اس کی تاریخ کہی ہے، جس کا آخری شعر یہ ہے،

عمّر الجامع لِلّٰہ   عام جاء سعید

صرف اللہ کے لئے اس نے مسجد بنائی۔ بنانے والا سعید آیا۔

ابھی چند دن ہوئے کہ بھارت سے ایک وفد روس گیا ہے۔ اس کے لیڈر دو ملک کے مشہور مِل مالک سیٹھ کستور بھائی لال بھائی ہیں جن کا وطن خاص احمد آباد ہے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے "احمد آباد کارپوریشن کے میئر سے درخواست کی ہے، کہ شیدی سعید کی جالیوں کا نمونہ چاندی کا بنوا کر جلد بھیجو تاکہ سرکار روس کے آگے بطور تحفہ پیش کروں۔ چنانچہ اس تار کے ملتے ہی میئر نے دو دن کے اندر تیار کرا کر ہوائی جہاز سے روس بھیج دیا۔

یہ خبر ۱؍ستمبر ۱۹۵۵ء کے گجرات سماچار میں شائع ہوئی۔ بات یہ ہے کہ زار روس عالم شاہزادگی میں بطور سیاحت جب ہندوستان آیا، تو احمد آباد بھی آکر اس نے شیدی سعید کی مسجد دیکھی۔ اس جالی کو دیکھ کر اس کی صنعت کی بے حد تعریف کی اور اس کا فوٹو بھی اپنے ساتھ لے گیا امریکہ اور انگلستان میں تو اس کا نمونہ پہلے سے ہے، لیکن روس میں اس کا نمونہ پہلی دفعہ گیا ہے

تفسیر مظہری (عربی)

کلامِ الٰہی کی بہترین تفسیر

علماء طلباء اور عربی مدرسوں کے لئے شاندار تحفہ

مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے تفسیر مظہری تفسیر کی تمام کتابوں میں بہترین سمجھی گئی ہے بلکہ بعض حیثیتوں سے اپنی مثال نہیں رکھتی یہ حقیقت ہے کہ اس عظیم الشان تفسیر کے بعد کسی تفسیر کی ضرورت نہیں رہتی، امامِ وقت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات علمی کا عجیب و غریب نمونہ ہے۔

اس بے مثال کتاب کا پورے ملک میں ایک نسخہ ملنا بھی دشوار تھا، شکر ہے کہ برسوں کی جد و جہد کے بعد آج ہم اس لائق ہیں کہ اس متبرک کتاب کے شائع ہونے کا اعلان کر سکیں تقریباً تمام جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں صرف آخری جلد جس میں دو پاروں کی تفسیر ہے زیر طبع ہے جو اس مہینہ کے آخر تک ضرور تیار ہو جائے گی

ہدیہ غیر مجلد:- جلد اول سات روپے۔ جلد ثانی سات روپے۔ جلد ثالث آٹھ روپے۔ جلد رابع پانچ روپے۔ جلد سادس آٹھ روپے۔ جلد سابع آٹھ روپے۔ جلد ثامن آٹھ روپے۔ جلد خامس پانچ روپے۔ جلد تاسع پانچ روپے۔ جلد عاشر زیر طبع۔ ہدیہ کل جلد ترسٹھ روپے
رعایتی ساٹھ روپے